

محسن انسانیت

معاهدات

راز جناب نعیم صدیقی صاحب
(سلسلہ گذشتہ)

معاهدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، خصوصاً جبکہ مذہبی اختلافات موجود ہوں، سیاسی تعصبات پیدا ہو جائیں، درمیان میں کھلی کھلی مخالف طاقتیں برآمد کر رہی ہوں۔ اور معاملہ بالعموم ایسے مقابل اور عناصر سے ہو جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، وقت کو پہچاننا، اس توازن قوت کو سمجھنا جو کسی خاص لمحے مختلف اجزائے معاشرہ کے درمیان کا فرما ہو، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کی وہ خاص درمیانی لکیر تلاش کر لینا جہاں تک کسی قبیلے یا عنصر کو لایا جا سکتا ہو اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت و شنید میں اثر انداز ہو جانا۔ ایسے بے شمار لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور ڈپلومیٹک کانوٹیشن پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی، اور اس وجہ سے نہیں مل سکتی کہ حضور نے اتنے وسیع تعلقات مختلف حالات میں پیدا کرنے ہوئے کسی بھی موقع پر نظر پڑتی تھی، اپنے اخلاقی اصولوں اور اپنے سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان پہنچنا نہیں دیا۔ ورنہ ڈپلومیٹک دائرے میں جس بڑی طرح سے اصول اخلاق کا قتل عام ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے لفظ "ڈپلومیسی" بدنام ہو کر رہ گیا۔ خود سیاست آج ایک مکروہ شدہ اسی لیے بن کر رہ گئی ہے کہ سیاست کا کوئی اخلاق نہیں ہوتا اور یہ ایک ایسا ٹینک ہے کہ جہر کو حرکت کرتا ہے انسانیت کی قیمتی قدروں کو روندنا چلا جاتا ہے۔ مگر حضور نے ڈپلومیسی اور

سیاست کا بالکل مفہوم بدل کے رکھ دیا اور ان کاموں کو نہ صرف آلائشوں سے پاک کر دیا بلکہ نیکی اور عبادت کی روح سے سجایا۔ اسلامی اصولوں کے ساتھ سیاسی اور ڈپلومیٹک سرگرمیوں کو جا بھی رکھنا اور پھر ان میں غیر معمولی درجے کی کامیابی حاصل کرنا اور اس کے ذریعے بے شمار کچھ سے ہونے قابل کو اپنے گرد مجتمع کر لینا آج کتابوں کے اوراق میں پڑھتے ہوئے آسان معلوم ہوتا ہے مگر گریبانِ عرب میں جب عملاً یہ کام ہو رہا ہو گا تو کرنے والا ہی جان سکتا ہے کہ کیسی کٹھن مہم ہوگی۔

معاہدہ روابط کا یہ سلسلہ نہ صرف اس لحاظ سے دعوت کی ترویج میں مدد تھا کہ حلیتِ قتال میں مسلم داعیوں کو آند و رفت اور عوام سے گلنے ملنے کے کھلے مواقع حاصل ہو جاتے تھے اور خود ان قبائل کے افراد کا روابط بھی مدینہ سے بڑھ جاتا تھا، بلکہ یہ اس لحاظ سے بھی تحریک کے اثرات کی ترویج کا موجب تھا کہ اس کی وجہ سے مسلم طاقت اپنی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عوام کی معتد علیہ بنتی چلی گئی۔ لوگ محمد و وفدِ نبوی اور صفویانہ تصورات کے بنائے ہوئے نیک آدمیوں پر کھٹنے بھی فریفتہ ہوں اور ان کے تقدس مرعوب رہیں، لیکن وہ زندگی کی قیادت کی باگ ڈور انہیں کبھی نہیں سونپا کرتے۔ زندگی کی قیادت دنیا میں ہمیشہ ان عناصر کو دی جاتی ہے جن کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ کار پڑائی کے لیے ضروری بصیرت رکھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی گروہ کے بارے میں بڑی ستائش سے کام لے کر کہا کرتے ہیں کہ وہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں، بڑے نیک کام کرتے ہیں، بڑی خدمتِ خلق میں مصروف ہیں، لیکن اس ستائش میں یہ تاثر بھی مضمر ہوتا ہے کہ کارِ دنیا کے لیے یہ سخت ناموزوں بھی ہیں۔ ایسے گروہ لوگوں کی یہ باتیں سن کر بارہا مغالطوں میں بھی پڑ جاتے ہیں کہ رائے عام ہمارے حق میں اچھی ہے۔ مسلم طاقت اگر ایسا انسانی کردار بنا کے سامنے لائی ہوتی جو مذہبی رنگ میں نیکی کا پیکر اور روحانی لحاظ سے تقویٰ کا مجسمہ تو ہوتا لیکن معاملاتِ دنیا اور مسائلِ تمدن و سیاست میں کوئی اہمیت نہ دکھا سکتا تو تاثر یہ تو ہوتا کہ کچھ بھلے لوگ ہیں، اللہ ملے ہیں، اچھی باتیں کہتے ہیں اور لوگوں سے نیک سلوک کرتے ہیں، لیکن ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ عوام انہیں ان سے کسی نظامِ نو کی اقامت کی امیدیں سکتے اور ان کو سلطنت چلانے اور سماج کی قیادت

کرنے کا اہل مان سکتے۔ اسلامی تحریک ایسے "اللہ لوگ" بنانے نہیں آئی تھی جو بحیثیت فرد بہت ہی اللہ والے، بھلے مانس اور مکین تسلیم کیے جائیں لیکن اجتماعی دائرے میں کافر اور کارپرداز بننے کے لیے سیاسی بصیرت کا ضروری سرمایہ نہ رکھتے ہوں۔ لوگ ان کو ایک متبادل مگر صالح ترقی یافتہ کی حیثیت سے قبول نہ کریں اور ان کے ہاتھوں کسی روغن مستقبل کی تعمیر کی توقع نہ رکھیں۔ مسلم کردار اختیار زیادہ خدا پرست اور متقی تھا انہاں ہی زیادہ سیاسی بصیرت سے بھی آراستہ تھا۔ اس معاملے میں اس نے اپنا سیکہ اپنی عملی کارگزاری سے منوالیا۔ جوں جوں لوگ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلو میں اعدام کرنے والی مسلم طاقت کی قائدانہ صلاحیتوں سے متاثر ہونے لگے، مدینہ ان کی ہڈیوں کا مرکز بن گیا اور اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کے دل بھی اسی بیخ سے اسلام کے لیے کھلتے چلے گئے۔ گویا دین کی دعوت اور سیاسی اثرات کی توسیع کے دونوں کام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے اور ایک دوسرے کے لیے ملکہ +

یہ حقیقت ذہن میں رکھ کر ان معاہداتہ تعافات کا جائزہ لیجیے جو حضور نے بڑے وسیع پیمانے پر قائم کر دکھائے اور اس کام میں آپ کی رفتارِ کارِ حیرت انگیز متحرک تینر رہی۔ باوجودیکہ ذرائع رسل و رسائل کے لحاظ سے حالات سخت ناموافق تھے۔

۱۔ بیعت عقبہ | معاہدانہ روابط میں ستر فرست بیعت عقبہ آتی ہے جو بیک دم ایک پہلو سے مذہبی میثاق ہے اور دوسرے پہلو سے سیاسی معاہدہ پہلی بار کی بیعت میں محسن انسانیت کے ساتھ پر انصاری لوجوانوں نے قبول رسالت کی بیعت کی اور دوسری بار آپ کی سیاسی قیادت کا عہد بھی شامل کیا۔ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی متوازی دیواری آتی ہیں۔ منیٰ سے کوئی ایک فرلانگ بھر پہلے بائیں ہاتھ کی پہاڑی میں نصف دائرے کا ایک خماؤ ہے اور اس خماؤ کے دامن کے طور پر ایک میدانی قطعہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی وہ محفوظ جگہ ہے جہاں راتوں کے پشمار سکوت میں بیعت ہائے عقبہ واقع ہوئیں۔ مدینہ میں یہودی کی موجودگی کی وجہ سے انصار الہامی دین کا ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ نبوت سے انہیں تعارف حاصل تھا۔ نیز آخری نبی موجود کی پیشینگیوں ان کے

سامنے تھیں اور یہود کا یہ پہنچ بھی کہ جب وہ نبی آجائے گا تو ہم اس کے ساتھ ہرگز تم لوگوں کو مغلوب
 کریں گے۔ اس طرح انصار میں جہاں ابہامی ہدایت کی طلب پیدا ہو چکی تھی وہاں غیر شعوی طور پر یہ
 جذبہ بھی اثر انداز تھا کہ وہ نبی آجائے تو ہم پہلے لبیک کہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس وقت خنزرج کے
 درمیان باہمی آؤریش کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا اس سے ٹھک کر وہ ایک دور امن کے خواہاں تھے مگر
 رکاوٹ یہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی قبیلہ بھی سابق حریفانہ فضا کی وجہ سے دوسرے قبیلہ کی قیادت
 قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ ان کو کسی تیسری طاقت کی اقتیاج تھی۔ یہ سارے وجوہ تھے جن کے
 زیراثر مدینہ کے ذہن اور شرفیہ لوگوں کو جو نبی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعارف ہوا
 اور حضور کی دعوت سننے کا موقع ملا تو قبولیت کے لیے ان کے دل کھل گئے۔ نبوت کے چرچے تو ان
 تک پہلے ہی پہنچ چکے تھے، لیکن بالمشائہ گفتگو نے انہیں قطعی فیصلہ تک پہنچا دیا۔ آنحضرت کی وصیت
 اور شخصیت کا اثر جب کلمات دعوت میں شامل ہوا ہو گا تو اس زمینی انقلاب کی تکمیل ہو گئی ہوگی،
 جس کے لیے انصار کی فطرت میں پہلے سے آمادگی موجود تھی۔ سہ لمحہ ایک عجیب نازک تاریخی لمحہ تھا یعنی
 انصار مدینہ پہلی بیعت کے موقع پر یہ ارادہ لے کے چلے تھے کہ قریش سے حریفانہ رابطہ استوار کریں اور
 اگر ایسا ہو جاتا تو تحریک اسلامی کی تاریخ کا رخ کچھ دوسرا ہوتا۔ مگر عین وقت پر جماعت انصار کا
 ارادہ بدلتا ہے اور وہ قریش کا خیال چھوڑ کر اس نئی قوت سے رابطہ جوڑ لیتے ہیں جو تاریخ کے افق
 سے اپنی ابتدائی کرکوں کے ساتھ آغاز طلوع کر رہی تھی۔

پہلی مرتبہ کی بیعت میں حضور نے چند اختلافی واقعاتی امور کا عہد لیا، یعنی مسابدہ، بانہ
 ولے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اولادوں
 کو قتل نہیں کریں گے، کسی کے خلاف کوئی بہتان نہیں گھڑیں گے اور معروف کے دائرے میں رسول
 خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

دوسری بیعت میں انصار نے ان امور کا اہتمام کیا کہ ہم رسول اللہ کے سامنے ہر حال میں
 سمع و طاعت سے کام لیں گے، چاہے مشکلات درپیش ہوں یا آسانیاں ہوں، ہمارے دلوں کو

کوئی حکم پسند ہو یا ناپسند اور خواہ کوئی بات ہماری رائوں کے خلاف ہو رہی ہو، اور یہ کہ ہم اہل بیتؑ کے کشمکش نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم کسی بھی حال اور کسی بھی موقع میں ہوں حتیٰ بات کہیں گے، اور یہ کہ اللہ کے دین کے معاملے میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان مختصر الفاظ میں گو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار کے درمیان سیاسی رابطہ استوار ہو گیا اور اس جماعت نے واضح طور پر ایک سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ حضورؐ کی قیادت کو انہوں نے سب سے پہلے سمجھنا شروع کیا، یہ اقرار بھی باندھا کہ اگر باہمی قیادت کے خلاف کوئی کشمکش نہ کی جائیگی اور جاہ و منصب کو چھیننے پھیننے کے لیے کوئی اقدام نہ ہوگا۔ اہل بیتؑ کا اصول طے پا گیا کہ ہر موقع پر حق بات پیش کی جائے گی اور امامت دین کی جدوجہد کے بارے میں سب باندھ گیا کہ جو جو کچھ فرائض اور مطالبات اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوں گی انہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے نبی اور امامت سے بے نیاز ہو کر سرانجام دیں گے۔ یہ ایسی بیعت تھی کہ اس کے بعد جو بھی کوئی قطعہ ارضی (TERRITORY) اس جماعت کے زیر اثر آجائے جس میں اس کے اوپر کوئی سیاسی اقتدار کا فرمانہ ہو بلکہ قیادت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہو تو یہ جماعت محض ایک ریاست میں بدل جائے۔

ان امور کے ساتھ مزید یہ بھی طے پا گیا کہ حضورؐ کے مدینہ منقولہ ہوجانے پر معاہدہ باندھنے والے انصار حضورؐ کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ وہ اپنے ازواج و اولاد کی کرنے ہیں گوکہ یا مدینہ کی اسلامی جماعت اور حضورؐ کے درمیان دفاعی وحدت کا تعلق بھی قائم ہو گیا اور اس لحاظ سے بیعت عقبہ کی سیاسی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ کر انقلابی ہو جاتی ہے۔

پھر حضورؐ کے ارشاد سے انصار مدینہ کی اسلامی جماعت کی طرف سے بارہ نمائندہ نقیب نامزد کیے جاتے ہیں جو حضورؐ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان نقیبوں کے سر دعوت اسلامی کو پھیلانے کے علاوہ سیاسی ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ بقول عبداللہ بن ابی بکرؓ حضورؐ نے ان نقیبوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی قوم کے اسی طرح ذمہ دار ہو جیسے حضرت عیسیٰ کے سامنے ان کے حواری ذمہ دار تھے اور

میں بھی اپنے گروہ۔ یعنی مسلم جماعت۔ کا ذمہ دار ہو جائے۔

فقہیوں کے تقرر کے ساتھ مدینہ کے لیے جو تنظیمی بیہیت تشکیل دی گئی وہ فقط مدینہ ہی تھی بلکہ سیاسی و انقلابی تھی۔ ایسی بیہیت کی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ وہ جلد از جلد۔ پہلا موقع ملتا ہے۔ ریاست کی شکل اختیار کرے۔ عالم واقعہ میں ہرگز بھی یہی کہ حضور کے جانے کے چند ماہ بعد اسلامی ریاست کی نیوٹواں دی گئی۔

گویا اسلامی تحریک ابتدائی دعوت کا دور پورا کر کے سیاسی تعمیر کے دور میں داخل ہوئی تو معاہدہ کے ذریعے داخل ہوئی، نہ کہ جنگی قوت کا استعمال کر کے۔

۲۔ دستوری معاہدہ [نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں چلنے والی تحریک اسلامی کی تاریخ میں دوسرا عظیم ترین معاہدہ وہ ہے جس پر مدینہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ شاید دنیا بھر کی تاریخ میں مجھو ایک ریاست کا قیام بھی بغیر تھوڑی بہت قوت استعمال کیے نہیں ہرگز ہوگا، کجا کہ معاملہ ایک نظریاتی ریاست کا ہو جس کے اساسی نظریے نے ماحول میں بل چل مچادی ہو۔ پھر اس کا قیام ایک منہی ماحول میں اور گونا گوں عناصر کے تقاضوں سے عمل میں آئے۔ یہ دستوری معاہدہ معن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ جہالت کی ایک ایسی مثال پیش کرتا ہے جس کا کہیں جواب نہیں اس معاہدہ کے فریقوں کو دیکھیے تو ان میں ہاجرین شامل ہیں، انصار کے دو بڑے قبائل اوس و خزرج کے مسلم افراد شامل ہیں، ان کے شرک اور یہودی افراد شامل ہیں، یہود کے متعدد قبائل شامل ہیں اور ان کے ان میں باہمی حقیقت پسندی موجود تھی۔

درحقیقت حضور پاک نہہالی تعلقات کی وجہ سے مدینہ کو یمن سے جانتے تھے کیونکہ وہاں وچکے تھے۔ پھر یہ حیثیت داعی حق آپ نے مکہ ہی کے آخری دو تین برس میں مدینہ سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے مخصوص حالات پر سیاسی نقطہ نظر سے اچھی طرح کاوش کی تھی اور ہجرت کے بعد مدینہ آکر تو براہ راست وہاں کے جملہ عناصر کے باہمی معاملات کا نہم حاصل کر لیا تھا۔ مدینہ کی کل آبادی

۱۰ ہجرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۵، عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ۔ ڈاکٹر محمد اللہ صدیقی ص ۱۲۵

اس وقت انازاً ۵ ہزار سہمی اور اس تعداد میں تقریباً نصف یہودی تھے۔ اس ساری آبادی میں مہاجرین اور انصار کو ملکر مسلم گروہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۵ سو سہمی کی۔ اسی فعال، بیدار اور منظم اقلیت کے بل پر حضور نے ۵ ہزار کی آبادی کو اپنی قیادت کے حلقہ میں لے لیا۔ انصار کے دونوں قبیلے جو ۱۲۰ ضمنی قبائل میں بیٹے ہوئے تھے۔ ایک تاریخ آویزش رکھتے تھے اور عام آبادی بھی تصادم تصادم کے چکر سے ٹھکی ہوئی تھی، کیونکہ ہمیشہ کچھ عرب اور کچھ یہودی ایک طرف اور کچھ عرب اور کچھ یہودی دوسری طرف ہو کر جنگ و جدل میں پڑتے رہتے تھے۔ اب امن کی پیاس موجود تھی اور اسی مقصد سے ایک تعمیری قیادت کی طلب کا فرما تھی۔ کچھ ہی مدت پہلے قیادت کا خلا پُر کرنے کے لیے عبدالقدین ابی کی تاجپوشی کی تیاریاں شروع بھی ہو چکی تھیں، لیکن یکایک حضور اور آپ کی دعوت سے تعارف حاصل ہو جانے پر انصار اور ہر متوجہ ہو گئے۔ خود یہودیوں کا حال بھی یہ تھا کہ ان کے دوڑے گروہ جو داخلی طور پر۔ اقبیلوں میں منقسم تھے باہم دگر حریف تھے اور ایک غیر منسل اور غیر علتی میں انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں مٹ مٹا جائیں۔ پھر جب یکایک حضور نے انصار کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا اور ان کے سابق حلیفانہ روابط یہودیوں سے ٹوٹنے لگے، تو اس وقت یہودیوں نے پیروں تلے سے زمین سرکھتی محسوس کی۔ اس صورتِ حالات میں نبی اکرم نے یہود کے حق میں وحی الہی کے تحت تالیفِ قلب کرنے اور ان کے بہترین جذبات کو اپیل کرنے کی سعیِ بلین کی تو سیاسی وحدت قائم کرنے کے لیے میدان ہموار ہو گیا۔ مدینہ کی آبادی کے جملہ عناصر کو سمجھنا، ان کے مفاد اور مسائل کا شعور حاصل کرنا اور ان کی نفسیات کو مناسب رُخ پر ڈھالنا اور پھر اس عظیم سیاسی کارنامہ کو بہت ہی کم مدت میں سرانجام دے لینا محسنِ انسانیت کی سیاسی عظمت سے ہیں مرعوب کر دیتا ہے۔

مسلم جماعت جو اعتقاداً اور اخلاقاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کے تحت انتہائی مضبوط تنظیم رکھتی تھی اور پھر بعیتِ عقبہ نے اسے ایک سیاسی انقلابی پارٹی کی حیثیت بھی دے دی تھی، تیز یہ اپنی اصولی دعوت کے زور سے نشوونما پانے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی، اس نے مدینہ میں سیاسی لحاظ سے مرکزی اہمیت حاصل کر لی۔ انصار کے قبائل میں نہ کوئی جوائی نظریہ یا رد عمل موجود تھا اور نہ کوئی

مقابل کی مثبت یا منفی ذہن کی قیادت۔ کیونکہ ان کے سرداروں کی بیشتر تعداد پہلے ہی اسلامی تحریک کی طرف کھنچ آئی تھی۔ ان کے اندر کے مشرک اور یہودی افراد اچھی خاصی بڑی تعداد رکھنے کے بعد کوئی مخالفانہ حرکت نہیں رکھتے تھے بلکہ پُر سکون تھے اور سیاسی حیثیت سے سرکردہ مسلم عناصر کے پیچھے چلنے والے تھے۔ یوں بھی کوئی اکاؤنٹا کا حرب یا یہودی قبیلہ مسلم جماعت کے مقابلے میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتا تھا۔ مدینہ کی آبادی کے عناصر کی یہ ترتیب حضورؐ کے نقشہ کار کے لیے بالکل سازگار تھی اور آپؐ نے ابتدائی مسائل سے خارج ہوتے ہی چند ماہ کے اندر اندر بدینتِ سیاسیہ کی تشکیل کر لی۔

مذکورہ بالا معاہدہ جو یورپ میں مشرقین کے تجزیہ کے مطابق ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ تاریخی ریکارڈ کی بنا پر اس معاہدے کے متعلق ایک اختلاف یہ ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے یہودی دستاویز کا سلسلہ صہیں لکھا جانا بیان کیا ہے اور بعض نے تحقیقی رائے یہ بھی دی ہے کہ اس کا ایک حصہ سلسلہ کا ہے اور دوسرا حصہ اس میں غزوہ بدر کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ یعنی مغربی تقسیم کے مطابق دفعات ۲ تا ۲۴ اور ۲۴ تا ۴۷ دو الگ الگ حصے ہیں۔ جم اگر اس دوسری رائے کو قبول کر لیں تو اس صورت میں بھی رسولؐ خدا کی سیاسی حکمت کا فرما نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے پہلے ہاجرین اور جملہ انصار و مسلم و غیر مسلم، پر مشتمل بدینتِ سیاسیہ کی تشکیل کر دی۔ اس کے وجود میں آجانے کے بعد یہودی قبائل نے اپنے آپ کو الگ رکھنے ہوئے کمزور اور محض خطر میں محسوس کیا ہو گا، کیونکہ سیاسی لحاظ سے وہ بالکل ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے مسلم طاقت کو میدانِ بدر سے اپنی توقعات کے خلاف خارج بن کر نکلتے دیکھا ہو گا تو انہیں نکر ہوئی ہوگی کہ کچھ بد وقت مدینہ کی بدینتِ سیاسیہ میں اپنی جگہ بنا لینا چاہیے۔

یہ دستوری دستاویز جس کی نظیر بقول ڈاکٹر حمید اللہ پہلے کی تاریخ میں قطعاً نہیں مل سکی اعلیٰ درجہ کے سیاسی سلیقے سے لکھی گئی ہے، نہایت ہی محتاط دستاویزی زبان میں ہے۔ اور اس میں حضورؐ نے اپنی مطلوبہ نظر ماتی و سیاسی اقدار کو مختلف عناصر سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ مناسب موقع ہے کہ ہم اس دستاویز کے اہم ترین مندرجات پر نگہ ڈالیں تاکہ اس کی سیاسی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

اس دستاویز کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوا، اور اس کا سر عنوان ہے: "ہذا کتاب

صن محمد المنبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ — یعنی یہ کونسا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو نبی ہیں۔ گویا پیرایہ آغاز ہی میں نظر یہ اساسی کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اس دستاویز پر مبنی سببیت اجتماعیہ کامرکزی عنصر یہ بہر حال مسلم جماعت کو قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً پیرایہ آغاز میں دستوری نوشتہ کا دائرہ یوں نامزد کیا گیا ہے ”بین المؤمنین والمسلمین من فوئیش ویثوب“ اور اس پر اضافہ ہے ”ومن تبعہم نلتحق بہم وجاہد معہم“ (دفعہ ۱)۔ گویا ریاست کامرکزی عنصر مکہ اور مدینہ کے اہل ایمان ہیں اور یقینہ ان کے تابع لائق اور حامی ہونے کی صورت میں شہرت سے بہر مند ہیں۔ چنانچہ یہود کے قبائل کو شریک معاہدہ کر کے ”مؤمنین کے ساتھ“ کے الفاظ سے سیاسی امت واحدہ میں شمار کیا گیا (دفعات ۲۵ تا ۲۵)۔ پھر مندرج ہے کہ اہل ایمان دوسرے انسانوں کے بالتقابل آپس میں ایک دوسرے سے بھائی چارہ رکھتے ہیں (دفعہ ۱۵)۔ پھر صبح و جنگ میں تمام مسلمانوں کو مشترک قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۱۷)۔ پھر ایمان والوں پر لازم ٹھہرا گیا ہے کہ وہ قصاص کے لیے مل کر اٹھیں اور ظالموں کو پناہ نہ دیں، نیز ان پر زیادتی کر کے خون بہایا جائے تو اس کا انتقام لیں (دفعہ ۱۹، ۲۰، ۲۱)۔ پھر لازم کیا گیا کہ کوئی ایمان والا کسی کافر کے بدلے میں کسی ایمان والے کی جان نہ لے گا اور نہ کسی ایمان والے کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا (دفعہ ۱۱)۔ مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور اسے اللہ کے ذمہ کی حیثیت سے سب کو نیمانا ہوگا (دفعہ ۱۵)۔ جب کوئی اختلاف واقع ہو تو خدا اور محمد کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۳)۔ متفقہ ایمان والوں پر واجب کیا گیا کہ وہ ہر حرجم، گناہ اور تعدی کی صورت میں اس کے انفراد میں متحد ہوں (دفعہ ۱۳)۔ ابتدائی حصے میں دستور کی نظر ماتی روح کو نمایاں کرنے کے لیے بار بار یہ جملہ آتا ہے کہ فلاں فلاں (مسلم، قبیلہ فدیہ وغیرہ کے معاملات میں معروف) اور قسط“ پر کار بند ہوگا — اور وہ بھی اس مفہوم کے ساتھ جو ”بین المؤمنین“ مسلم ہے (دفعہ ۲ تا ۱۲)۔ نہایت ہی اہم اسلامی اصطلاح ”فی سبیل اللہ“ بھی شامل دستور کی گئی (دفعہ ۱۹) اسی طرح ”ظلم“ اور ”بتر“ اور ”اثم“ کی اصطلاحات بھی متن میں داخل ہوئیں۔ (دفعہ ۳۶) اس سے بھی بڑھ کر یہ تک شامل دستاویز ہے کہ متفقہ ایمان والے سب اچھے اور سب

سید سے راستے پر میں (دفعہ ۲۰)۔ پھر وان النصر للمظلوم کے الفاظ سے ایک خالص اسلامی کلیہ جو بین الاقوامی بھی ہے تسلیم کر لیا گیا۔ اور یہ بھی کہ خدا اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی تعمیل زیادہ سے زیادہ اخلاص و نفاذ سے کرے (دفعات ۲۲-۲۶-۲۷)۔

اس دستاویز میں سیاسی امور کو جس خوبی سے طے کیا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیجئے۔ دستاویز میں شہر کار کے سکنی علاتے یعنی جو فہ مدینہ کو جس کا رقبہ تقریباً یکصد مربع میل تھا مدینہ کا جغرافیہ ماحول ہم بیان کر چکے ہیں اور وضاحت کے لیے نکتہ بھی دیا گیا ہے، نہ صرف یہ کہ اسلامی ریاست کی ابتدائی سرزمین (TERRITORY) قرار دیا گیا ہے بلکہ اسے حرم مقدس بھی قرار دیا گیا (دفعہ ۳۹)۔ اس معاہدہ کے جملہ شہر کار کو ایک سیاسی وحدت (انھم امتہ واحداۃ من دون الناس) قرار دیا گیا (دفعہ ۱)۔ یہ دفعہ سیاسی حکمت کی مظہر ہے کہ پہلے سے طے کر دیا گیا کہ یہودیوں میں جو بھی ہماری اتباع کرے اسے مذکورہ مساوات اور حقوق شہرہ بجا حاصل ہوگی۔ یہ گویا پیش بندی بھی تھی اور زرخیب بھی۔ (دفعہ ۱۶) کمال سیاست کا شاہکار یہ ہے کہ اختلاف ہونے پر اللہ اور اس کے رسول محمد کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۲) کوئی جھگڑا یا قتل واقع ہو تو خدا اور خدا کے رسول محمد کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۲)۔ کسی زخم یا مار کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی (دفعہ ۳۶)۔ ظالم کے ظلم یا قاتل کے جرم کا وبال صرف اس کی ذات یا اس کے گھرانے (خون بہا میں خاندان شریک ہوتا تھا) پر ہوگا، کسی دوسرے پر نہیں (دفعہ ۲۵ و ۲۶)۔ سیاسی بیہیت کے ابتدائی واسطے قبیلوں ہی کو قرار دیا گیا اور ان کو تسلیم کر کے ان پر مرکزی اقتدار قائم کیا گیا۔

دفاعی سیاست کے لحاظ سے یہ باتیں طے ہوئیں کہ اگر فیرب پر حملہ ہو تو شہر کار کے لیے باہمی امداد کو لازم فرمایا ہوگا (دفعہ ۴۴)۔ اگر معاہدہ کے کسی فرقے سے کوئی جنگ کرے تو اس کے خلاف سارے شہر کار پیچھے جذبے سے امداد کریں گے (دفعہ ۳۷)۔ اس دستاویز نے ایک دفعہ کے ذریعے دفاعی بالادستی بھی حضور کے ہاتھ میں دے دی کہ کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر فوجی کارروائی کے لیے نہیں نکلے گا (دفعہ ۳۶)۔ کسی فرقے کی اپنی مذہبی لڑائی کے بارے میں شہر کار کوئی ذمہ داری نہ ہوگی (دفعہ ۳۷)۔

اگر شرکاء کو کسی صلح کے لیے مدعو کیا جائے تو سب کے ساتھ وہ بھی صلح کریں گے (ایضاً، قریش کے صلحانہ تعلقات کا قطعاً خاتمہ کرنے کے لیے یہ بھی منوالیا گیا کہ کوئی مشرک (غیر مسلم شہری) قریش کے جان مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا (دفعہ ۲۰) اور قریش کو کوئی پناہ نہ دی جائے گی اور نہ اس کو جو انہیں مدد دے (دفعہ ۲۳)۔ جنگی مصارف کے متعلق یہ حقیقت پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنا حصہ ادا کرنے میں کج نومی دکھائیں گے اور اگر اختیامی خندان کے ہاتھ میں گیا تو وہ خیانت سے کام لیں گے..... حضور نے کمال بصیرت سے معاملہ یوں طے کیا کہ ہر فرقہ اپنے اپنے جنگی مصارف خود برداشت کر لیا۔ (دفعہ ۲۲-۲۷)

اقتصادی لحاظ سے ایک طرف خونہا اور قیدیوں سے فدیہ کا بار عرب کے معروف طریقہ پر شخص متعلق کے قبیلے پر پھیلا دیا گیا غیر مستطیع مقروض کے فرض کی ذمہ داری بھی اجتماعی کر دی گئی۔ مذہبی آزادی کے لیے وضاحت کر دی گئی کہ مسلمانوں کے لیے ان کا دین اور یہود کے لیے ان کا مذہب (دفعہ ۲۵)۔ درحقیقت مسلم جماعت تو سیاست اور دین دونوں کے لحاظ سے ایک وحدت تھی اور اس پر وہ سہری ذمہ داریاں عائد تھیں مگر قائل سیاسی رابطے کے دائرے میں جملہ شرکاء کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی ہے۔

اب ان نکات کو دوسرا دیر کے خلاصہ کی حیثیت سے زیر نظر لائیے اور پھر ایک ایک جز پر غور کیجیے کہ حضور نے کس حکمت سے اپنی آئیڈیالوجی کو دستور کی اساس اور روح بنا یا، مسلم جماعت کو مرکزی حیثیت دلائی، اپنی قیادت اور اتھارٹی۔ سیاسی، دفاعی، عدالتی۔ ہر لحاظ سے منوائی، قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے سب کو مشترک نکات پر جمع کر لیا اور بے شمار خطرات کے سامنے پہلے سے بند کر ایسے۔ واضح رہے کہ اس معاہدہ کی نوعیت ایک دستور کی دستاویز کی ہے جس کے کسی ایک فرقہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جب چاہے عیحدگی اختیار کر لے یا معاہدہ توڑ دے ایسا کرنا سرے سے اس حق شہریت کو ختم کر دیتا ہے جسے اسلامی ریاست کے حدود میں یہی

معاہدہ خلیفہ کر رہا تھا یہی وجہ ہے کہ جن یہودی قبائل نے بعد میں اس معاہدہ کو پوری طرح پامال کر دیا ان کے خلاف وہ کارروائی کی گئی جو غداروں اور باغیوں کے خلاف کی جاتی ہے۔

یہاں منمنا فرضیت ہجرت کے اہم نکتہ کو اس دستاویز کی روشنی میں سمجھ لینے کا موقع ہے۔ مدینہ کی ریاست کی اساس جس مسلم جماعت پر رکھی گئی تھی، فرضیت ہجرت کا ایک مقصود یہ تھا کہ یہ جماعت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے قبائلی نظام میں متفرق اکاؤنٹ مسلمانوں کا پڑے رہنا اس امر کا موجب ہو سکتا تھا کہ وہ تھوڑی بہت کشش کر کے، بالآخر جاہلی معاشرے میں تحلیل ہو جائیں یا جبر و تشدد کا شکار ہو جائیں۔ اس وجہ سے بھی ایک ایک ذرے کو سمیٹ لینا ضروری تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کی اسلامی ریاست کا استحکام بھی پوری اہمیت سے اس کا متقاضی تھا۔ بعد میں جب یہ دونوں ضرورتیں باقی نہ رہیں تو لاہجرتہ بعد الفتح کا اعلان کر دیا گیا یعنی جب سارا عرب دارالاسلام بن گیا اور مدینہ کی قیادت کے زیر نگیں آ گیا اور اسلام لانے والوں کے لیے کسی علاقے میں بھی مزاحم فضا باقی نہ رہی تو مدینہ ہجرت کر کے آنے کی پابندی اٹھا لی گئی۔

اس معاہدے کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت قائم ہوئی، یکصد مربع میل علاقے میں جوہ ہزار کی آبادی رکھتا تھا، مسلمانوں کو دعوتِ حق کے لیے بالکل کھلا دروازہ پہلے بار حاصل ہوا جہاں اسلام کا سیاسی اقتدار بھی دعوت کے کام میں از خود مدد تھا۔ پھر اس علاقے کے آس پاس جا کر کام کرنے کے لیے بھی اسلامی حکومت کا وجود کارکنوں کے لیے پختیا بن گیا۔

۳۔ متفرق قبائل سے معاہدات | مدینہ کو ایک سیاسی واحد بنانے اور اسلامی حکومت کی نیوٹرلائزنگ کے ساتھ ساتھ حضور نے اس قبائل کو ساتھ ملانے کی فکر کی۔ دتین بار صحابہ کی جماعتوں کو ہجرت پر بھیجا ہجرت کے بارہویں مہینے یعنی صفر میں فرماں روا نے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ودقان مدینہ سے بجانب مکہ ایک قصبہ ہے، کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے قبیلہ بنی حزمہ (یا بنی قمرہ) بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ استوار کیا۔ قبیلہ کی جانب سے عمرو بن حفصی الضمیری نے دستخط کیے۔ اس سے قبل ہاجرین کا ایک

و فداسی جانب عیص کے تمام تک گیا اور حلیفانہ تعلقات کی اچھی فضا پیدا ہو گئی۔ پھر ربیع الاول ۱۱ھ ہجرت کے تیرھویں ماہ) میں دوبارہ کوٹاہ (دینوبور) کے علاقے میں مجھینہ کے پہاڑوں میں سے ایک) کی جانب تشریف لے گئے یہاں کی آبادی سے بھی گفت و شنید کا میاب رہی اور حلیفانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ پھر جمادی الآخری میں بیٹام ذوالعشرہ (علاقہ دینوبور) تشریف لے گئے۔ وہاں بنو مدنیج اور ان کے حلیف قبیلہ بنو نضہ سے معاہدانہ روابط کے لیے گفت و شنید بہت دنوں جاری رہی۔ ان سے بھی معاہدہ ہو گیا۔ پھر پیش رووں کی ایک رائے یہ ہے کہ ان معاہدات سے یہ نتیجہ اور علاقہ درحقیقت مدینہ کے سیاسی واحدہ کا جزو بن گئے تھے اور متعلقہ علاقہ مدینہ کی سلطنت کا ایک حصہ ہو گیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معاہدات کے بعض اہم اجزاء اور بعض اصطلاحات دستوری معاہدہ سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اگر بالکل ابتدائی دور کے متعلق ایسا نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بعد میں مجھینہ سے حلیفانہ تعلقات کا ارتقاء اس نہج پر جاری رہا کہ یہ لوگ دوسرے عرب قبائل سے بہت پہلے اسلام میں داخل ہوئے اور ایک ہزار کی جمعیت نے مدینہ آکر حضور کی خدمت میں تعاون پیش کیا اور عملاً غزوات میں حصہ لیتے رہے۔ اس قبیلہ کی مختلف شاخوں سے اسلامی ریاست کے معاملات کا جو ریکارڈ موجود ہے وہ اسی کی توثیق کرتا ہے۔ مثلاً بنی الجحر و مجھینہ کی ذیلی شاخ) کہ حضور نے امن و سلامتی کا تحریری پروانہ عطا کیا۔ بنی شمیخ یا شخ و مجھینہ کی ذیلی شاخ) کو ان کا پورا علاقہ بطور جاگیر مستقل طور پر تفویض کر دیا۔ اسی طرح عوسجہ بن حرمہ جہنی کہ اس کے مسکن ذوالمرہ (یہ جانب ساحل) کے قریب جاگیر کا پروانہ عطا کیا گیا۔ البصیر اور ان کے ساتھیوں کے لیے جب معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے مدینہ جانے کا موقع نہ رہا تو وہ مکہ سے ہجرت گئے اسی ساحلی علاقے میں آگئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ عوسجہ جیسے سرداروں کی حمایت بھی انہیں حاصل رہی ہو اور وہ مقامی لوگوں کے تعاون ہی سے قریشی قافلوں کی مراعات کرتے رہیں گے۔

۱۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ۲۵۹ ۲۔ رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۲۱۔ زاد المعاد حوا رہما سبق

۳۔ ابن ہشام ص ۲۳۵، رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۰۱

۴۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون ”عام قبائل عرب سے تعلقات“۔

تعلقات اور آگے بڑھے میل جول کی وجہ سے دعوت کا کام جاری رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل بہشتیت مجموعی اسلامی تحریک کے علمبردارین کے عقیدہ چینی کی بیعت اسلام کا حال ہمارے سامنے ہے۔ حضور کے دورِ آخر میں ایک نیا پروانہ امن بنی جرّمز، بنی الحمرہ اور عمرو بن معبد چینی کے نام جاری ہوا جس میں وہ شرائط میں جو مسلم قبائل پر عائد ہوتی ہیں یعنی نماز و زکوٰۃ کی پابندی، خمس کی ادائیگی، مخالفین اسلام سے انقطاع، قرضوں کے سود کا ترک ان کے لیے لازم کیا گیا تھا۔ مدینہ میں قبیلہ جہنیہ کے نام کی مسجد بھی دوڑی تھی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاصی تعداد میں چینی لوگ اسلامی جماعت میں شامل ہو کر مدینہ آئے ہونگے۔

بنو غفار ان چند قبائل میں سے ہیں جنہوں نے بڑی تعداد میں بہت پہلے اسلام قبول کیا۔ یہ قبیلہ اپنے شمالی نوجوان حضرت ابو ذر کی دعوت سے متاثر ہوا۔ جنگ بدر کے قریبی زمانے میں اس قبیلہ کے لوگوں نے حضور سے معاہدہ کیا جس کی اساس اس جملے پر ہے کہ "انہم من المسلمین وعلیہم ما علی المسلمین" ہماری رائے میں اگرچہ اس کے ایک جزو میں اس قبیلہ کے غیر مسلم عناصر کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ قبیلہ گویا مدینہ کی حدیث اجتماع کا جزو بن گیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے علاوہ مدینہ کے زیر نگین نہ سمجھا جائے۔ بنو ضمروہ جن کی بہت سی شاخوں میں سے ایک بنو غفار کی شاخ تھی، اسی کا ایک ذیلی قبیلہ بنو عبد بن عدی بھی تھا جس کا قیام حد و حرم میں تھا۔ اس شاخ نے قریش سے مجبوراً تعلق مصالحت کے باوجود مسلم حکومت سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ صرف قریش کے خلاف جنگ میں شامل ہونے سے استثنیٰ حاصل کر کے بقیہ نہر لحاظ سے حضور کے ساتھ حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا۔

قبیلہ خزیمہ مدینہ سے صرف ۲۰ میل کی دُوری پر فرع کی سمت میں بجانب شمال مغرب القبل ابو سہب آباد تھا۔ ۵۵ھ میں یہ قبیلہ حلقہ اسلام میں شامل ہوا۔ لیکن ان سے حلیفانہ تعلقات لازماً ان کے ہمسایہ قبائل کے ساتھ ہی ساتھ آغاز پا چکے تھے۔ اس قبیلہ کے ایک سردار بلال بن حارث کو قبلیتہ دیا قبیل کی سونے کی کانیں حضور نے بطور جاگیر عطا کیں۔ چنانچہ ایک حالیہ کھدائی میں یہاں کے قبرستان سے جاگیر کے فرمان کا کتبہ ملا ہے۔ فتح مکہ کے بعد سردار مذکور کو بہت سی زرعی زمین بھی بطور جاگیر دی گئی۔ ان باتوں سے یہ انداز

ہوتا ہے کہ فرماں روئے مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کتنی زیادہ توجہ ساحلی علاقے کے قبائل پر صرف کی کیونکہ سیاسی جغرافیہ کے لحاظ سے یہ خاص کلیدی مقامات پر قابض تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیروں کے فرامین یہ ظاہر کرنے ہیں کہ یہ علاقے شروع ہی میں ان قبائل کے قبولِ اسلام سے قبل حکومتِ مدینہ کی سرزمین سے سیاسی طور پر ملحق ہو چکے تھے۔

قبیلہ عطفان کی ایک شاخ بنو اشجیح تھے۔ یہ بھی تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ شاہ راہ کی ناکہ بندی سے جب قریشی سلسلہ تجارت رک گیا تو ان کی معاش پر اس کا اثر پڑا۔ کیونکہ یہ کاروانوں کی خدمت کر کے کمائی کر لیتے تھے۔ معاشی بحران سے مجبور ہو کر ان کا وفد مدینہ پہنچا اور معرکہ خندق سے قبل ہی انہوں نے اسلام قبول کر کے معاہدہ استوار کیا۔ ان کی طرف سے معاہدہ پر دستخط نعیم بن مسعود نے کیے۔ نعیم بن مسعود توجہ ساز تھیں سمیت عین غزوہ خندق کے دوران میں اسلامی تحریک کے دائرے میں آئے۔ اس لیے بوقتِ معاہدہ سارا قبیلہ داخلِ اسلام نہ ہوا تھا۔ تاہم معاہدہ کی اساس اس فقرے سے واضح ہوتی ہے کہ ”حالفہ علی النصر والنصیحة“ یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات بنوار ہوئے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو عامر بن عبد مرنہ تافلون کے پڑاؤ کا کلہو بار چلانے کے لیے استحقاقِ خصوصی کا پروانہ حضور سے حاصل کیا۔ اس شاخ کے ایک سردار کو بھی غزوہ خندق سے قبل جاگیر دی گئی۔ اب ہم ان چند حلیفانہ رابطوں کا ذکر کرتے ہیں جو غزوہ خندق کے مابعد قائم ہوئے۔

قبیلہ خزاعہ میں کی قحطانی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بہت سی شاخوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ مکہ کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے۔ بنی مصطلق کے علاوہ اس قبیلہ کی اکثر شاخیں مسلمانوں سے اچھے روابط رکھتی تھیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب عبدالمطلب نے ان کے ساتھ مستقل حلیفی رکھی تھی۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر علی الاعلان قریش کو چھوڑ کر مدینہ کی اسلامی حکومت سے حلیفی قائم کر لی۔ اسی رابطے کی بنا پر ایک طرف تو اس قبیلہ نے جنگِ احزاب کے لیے قریش کی تیاریوں

لے رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر عبد اللہ۔

کی اطلاع حضور کو پہنچائی اور دوسری طرف حضور نے بھی فتح مکہ سے قبل ان کو ایک مکتوب میں اطمینان دلایا تھا کہ ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ نیز اطلاع دی تھی کہ بنو کلاب اور بنو سہوازن نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن وقت آنے سے قبل یہ بنو بکر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور ان کی مظلومی ہی فتح مکہ کی حرکت تھی۔ خزاعہ کی ایک شاخ بنو اسلم تھے۔ ان کے نام حضور کا جو پروردگار نے مٹا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ نسبتاً پہلے ہی سے اسلام میں داخل اور اسلامی ریاست کے زیر نگیں ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس خاندان کے سردار الحسین بن اوس کو حضور نے جاگیر بھی عطا کی تھی جو صلحناہ تعلقات کی محکم کی دلیل بھی ہے اور اس سے متعلقہ علاقہ کا الحاق مدینہ سے ہونا بھی تبادرتاً ہوتا ہے۔ تبوک کے شمال علاقے میں مخدوم، قضاہ اور غدرہ کے قبائل آباد تھے جنہوں نے اپنے مخالفانہ رویہ سے خاصی مشکلات اسلامی حکومت کے لیے پیدا کی تھیں۔ ان لوگوں نے مدینہ کے سفیر کو ٹوٹ لیا تھا۔ پھر تاویبی مہم ان کے خلاف بھیجی گئی۔ اس مہم کی زد میں غطفی سے بعض بے قصور لوگ بھی آئے پس یہ لوگ مدینہ میں فریاد لے کے آئے اور تلافی کی گئی۔ اس طرح تعلقات کی راہیں بھی کھلیں۔ حضور کی دستاویزات میں ایک مکتوب رفاعہ بن زید جہزای کے نام مٹا ہے جس میں بڑا بھاری اٹمی ٹیم ہے۔ اس سردار کو مخاطب کر کے اس کی ساری قوم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اسلامی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور رسول کی جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ روگردانی کرنے کی صورت میں دو ماہ کی امان ہے۔ حالات کا اس نہج سے ارتقار بالآخر جس صورت پر منتج ہوتا ہے وہ یہ تھی کہ حضور کی تبوک سے واپسی پر ۹ھ امامک بن امر حذامی نے مدینہ میں آکر حضور سے ملاقات کی اور پروردگار حاصل کیا۔ اس پروردگار نے وہ شرائط درج ہیں جو معمولاً صرف مسلم قبائل کے لیے ہوتی تھیں۔ یعنی ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح قضاہ کا ایک سردار بریدہ بن الحصب کسی مہم کے دوران میں حضور سے مدینہ کے باہر ہی ملا اور اس نے اپنی قوم کی طرف سے قبولی اسلام کا قول دے کر پیمانہ حاصل کیا۔

۱۰ھ میں قبیلہ کلب کی طرف حضور نے عبدالرحمن بن عوف کو ایک دعوتی مہم پر بھیجا۔ نتیجہ حسب نفاذ اور سردار نے اظہار وفاداری اور استحکام رابطہ کے لیے اپنی بیٹی کانکاح عبدالرحمن بن عوف سے

کر دیا۔ اسی طرح بارگاہِ نبوی سے ایک پروانہ کلیبیوں کے نو مسلم سردار حارثہ بن قطن کے نام جاری ہوا، جو دو مہینہ الجندل کے قرب و جوار کے کلیبیوں سے متعلق ہے۔ خود اکید (روائی دو مہینہ الجندل) سے معاہدہ ہوا۔ اختلافِ روایات ہے کہ آیا وہ اسلام لایا یا بغیر اسلام لائے جزیرہ دینے کی شرط پر سردار نئی مجال دکھا گیا۔ بہر حال بعد میں اس نے اپنے اسلام یا معاہدہ طاعت سے انحراف کیا اور حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعد میں اس کے قتلے اور قتادہ زمینوں کو اسی کلیبی سردار حارثہ بن قطن کی تحویل میں دے دیا گیا۔

اہلِ طائف کے عمومی قبولِ اسلام سے قبل صدیقِ عبد اللہ یعنی اسلامی تحریک کے علمبرداروں میں آٹے حضور نے ان کو اس علاقے میں فوجی کارروائیوں کے لیے کمانڈر تعویض کی حضور ہی کے اذن سے انہوں نے جرش کے تلے کا محاصرہ کیا جو معاہدہ صلح پر منتج ہوا۔ مصالحت کے بعد یہاں کی گورنری ابرو سفیان کو سونپی گئی۔

بزازہ جو عمان شہر میں آباد تھے اور عبید اور جعفر نامی دو اشخاص ان کے رئیس تھے، ان کی طرف عمرو بن العاص حضور کا نامہ دعوت لے کے سٹہ میں گئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ہم نے ان قبائل کا تذکرہ آئندہ اور ان کے لیے مؤخر کر دیا، جنہوں نے عام الو قود میں بطور خود مدینہ میں وفود بھیج کر اسلام قبول کیا یا کم سے کم حکومتِ مدینہ کی سیاسی اطاعت اختیار کی۔

علاوہ ازیں فوجی کارروائی کے نتیجے میں جہاں کسی گروہ نے اطاعت قبول کرنے یا مصالحت کرنے کی خواہش کی وہاں فوراً اس کے لیے راستہ دیا گیا۔ مدینہ کی مستقل اصولی پالیسی یہ تھی کہ محارب بھی صلح کا خواہاں ہو تو اس کی خواہش امن کا احترام کیا جائے۔ چنانچہ متعدد قبائل نے میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد یا تو سیاسی اطاعت اختیار کر لی یا اسلام قبول کیا۔ اس سلسلے کی ایک نمایاں مثال خیبر اور محققہ علاقہ کے یہودیوں کی ہے کہ مغتوح ہونے پر جب انہوں نے وہیں رہنے کی درخواست کی تو شرط طے کر کے ان کو رکھ لیا گیا۔

ان سارے واقعات کو سامنے رکھیے تو ماننا پڑتا ہے کہ تصادم سے بچ کر حلیفانہ تعلقات پیدا کرنا حکومتِ مدینہ کی سرگرمیوں کا اہم ترین شعبہ تھا اور حضور اور آپ کے رفقاء نے بہت ساری ہجرت

اسی شعبہ کار کے لیے اٹھائیں اور متعدد سفر کیے۔ یہ سرگرمیاں اسلامی ریاست کے اس پسندانہ نقطہ نظر کا بڑا تین ثبوت ہیں پھر اس معاملے میں حضور نے ایک اصولی و نظریاتی ریاست کے تقاضے سامنے ہونے کے باوجود پالیسی میں یہاں تک وسعت رکھی کہ اسلام نہ لانے والے قبائل کی طرف سے محض سیاسی تبلیغی کو بھی قبول کر لیا اور متعدد صورتوں میں غیر مسلم سرداروں اور حاکموں کو اپنی طرف سے مامور یا بجال فرمایا۔ مدعا یہی تھا کہ تصادم کے مواقع کم سے کم رہ جائیں۔ بعد کا یہ فیصلہ تو بہت سارے تلخ تجربات کی روشنی میں کیا گیا کہ کم سے کم جو سرزمین اسلامی تحریک کے گھر کی حیثیت رکھتی ہے اس کے ماحول کو پاک اور پُر امن رکھنے کے لیے اسے مخالف عناصر سے خالی کر لیا جائے، ورنہ ان کی غدارانہ حرکات سارے کام کا ستیاناس کر دیں گی۔

ادھر کے روابط کا تجزیہ کر کے دیکھیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں اسلام پہنچا وہاں سے مدینہ کو سیاسی اطاعت از خود حاصل ہوئی اور اسی طرح جہاں کہیں سیاسی تبلیغی کا تعلق قائم ہو گیا وہاں بھی کچھ ہی مدت میں اسلام کا پرچم نہرانے لگا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبائل کا جب مدینہ سے میل جول بڑھا جو گاتوڑہ اسلامی نظریہ حیات کے اعجازات کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر متاثر ہوتے ہو گئے، نیز ان کے اندر تحریک کے کارکنوں کو دعوتی کام کرنے کے لیے پُر امن فضا حاصل ہوتی ہوگی۔ دین و سیاست کی یہی وحدت تھی کہ جس نے بارہ لاکھ مربع میل علاقے کو چند برس میں اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔

(باقی)